آزاد اور لفظی ترجمہ نگاری......بنیادی مباحث

A basic discussion on Free and Literal translation

تحسین انجم

ریسرچ اسکالر (ایم فل اردو)منہاج یونیورسٹی لاہور

Abstract

"Tarjuma" is an Arabic word which means "to carry from place to the other" or "to express in one language from the other". Translation is an art and no less than a creative process. The successful translation is the one which keeps the essence of original text intact and brings the style of the writer along with his thoughts to the readers. Translation serves as a bridge between two languages and civilizations. There are many kinds of translation which the translator uses according to his need and ideology but two of its kinds free Urdu translation and Literal transtation are most important

خلاصہ

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کے لغوی معنی”ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا“ ،”ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا “ کے ہیں۔ترجمہ نگاری باقاعدہ ایک فن کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ کسی طرح بھی تخلیقی عمل سے کم نہیں ہے۔ ترجموں میں کامیاب ترین ترجمہ وہی ہے جس میں اصل متن کی روح برقرار رہے اور مصنف کے خیالات کے ساتھ ساتھ اس کا اسلوب بھی سامنے آجائے۔ ترجمہ دو زبانوں اور دو تہذیبوں کے درمیان پُل کا کام دیتا ہے۔ ترجمہ نگاری کی بہت سی اقسام ہیں جنہیں ترجمہ نگار اپنی ضرورت اور نظریے کے تحت اختیار کرتا ہے لیکن ان میں دو اقسام یعنی آزاد اردو ترجمہ اوربامحاورہ اردو ترجمہ سب سے اہم ہیں۔

ترجمہ ہے کیا؟ یا اس کی تعریف کن الفاظ میں کی جاسکتی ہے؟ یقیناً یہ ایک اہم سنجیدہ او ر دل چسپ سوال ہے اور اس کی حیثیت بنیادی نوعیت کی قرار دی جاسکتی ہے لیکن بہ نظر غائر دیکھا اور پرکھا جائے تو یہ کوئی ایسا سادہ اور ہلکا سوال نہیں کہ اس کا جواب چند فقروں میں دے کر مطمئن کر دیا جائے۔ ترجمہ نگاری کے فن کے بارے میں بات کرنے سے پہلے اس کی تعریف و مفہوم کے بارے میں جان لینا نہایت ضروری ہے۔

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کے لغوی معنی”ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا“ ،”ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا “۔اردو ادب کے اہم نکات اور فرہنگ کا مطالعہ کیاجائے تو ان میں بھی اس سے ملتا جلتا معنی بیان کیا گیا ہے۔

وارث سرہندی بیان کرتے ہیں کہ

۱۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کی ہوئی عبارت

۲۔ کسی کی زندگی کا مرقع یا خاکہ(۱)

مولوی نورالحسن نیر (مرحوم) لکھتے ہیں کہ

ایک زبان کے لغت کو دوسری زبان میں بیان کرنا

ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا۔(۲)

ترجمہ کو انگریزی میں Translation کہتے ہیں اور ترجمہ کرنے والے کو اردو میں مترجم اور انگریزی میں Translatorکہتے ہیں۔ Translation کا لفظ مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی''پار لے جانا '' ہیں۔ یہ معنی زبان سے لے کر نقل معنی اور نقل اسالیب تک پھیلا ہوا ہے۔

مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی سے ثابت ہوا کہ ترجمہ کے اصطلاحی مفہوم کسی ایک زبان کی تحریر کو کسی دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے ترجمے کےلیے ضروری ہے کہ مترجم اپنی شخصیت پر مصنف کی شخصیت کو غالب کرے۔ ترجمہ بنیادی طور پر دو زبانوں کے درمیان پل کا کام دیتا ہے۔

ترجموں میں کامیاب ترین ترجمہ وہی ہے جس میں اصل متن کی روح برقرار رہے اور مصنف کے خیالات کے ساتھ ساتھ اس کا اسلوب بھی سامنے آجائے۔ ترجمہ دو زبانوں اور دو تہذیبوں کے درمیان پُل کا کام دیتا ہے۔ مختلف خطوں اور تقاضوں کے درمیان یگانگت اور شناسائی کا کام کرتا ہے۔ایک ثقافت کے لوگوں کو دوسری ثقافت کے لوگوں سے روشناس کرواتا ہے۔اور اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ یہ جس تہذیب کو بیان کرتا ہے اسے ہمارے سامنے لاکھڑا کرتا ہے۔

اس حوالے سے صاحبزادہ محمد احمد خلیق مکرر کے ایک اداریے میں لکھتے ہیں کہ

> '' ترجمے کا عمل ان چند عوامل میں سے ہے جو اس تہذیبی تصادم کو روکنے میں ہی نہیں بلکہ مختلف تہذیبوں کے مابین خوشگوار تعلقات کی استواری میں بھی مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اہمیت اس امر کی ہے اس کا استعمال کس طرح پر، کس پر اور کس مقصد کےلیے کیا جاتا ہے۔'' (۳)

ترجمہ نگاری باقاعدہ ایک فن کی حیثیت رکھتا ہے اور ناقدین ادب نے اس فن کی اہمیت اور اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات (جس کا سامنا ایک مترجم کو کرنا پڑتا ہے) کو تسلیم کیا ہے۔ یہ فن کسی بھی دوسرے تخلیقی کام سے زیادہ مشکل اور سنجیدہ ہے کیونکہ ایک خیال کو تخلیق کا جامہ پہنانے والا شاید اتنا زیادہ نہیں سوچتا جتنا کہ کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں اس تخلیق کو منتقل کرنے والا سوچتا ہے۔

اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ:

> '' ترجمے کا کام یقیناً ایک مشکل کام ہے۔ اس میں مترجم، مصنف کی شخصیت، فکر و اسلوب سے بندھا ہوتا ہے۔ ایک طرف اس زبان کا کلچر، جس کا ترجمہ کیا جارہا ہے۔ اسے اپنی طرف کھینچتا ہے دوسری طرف اس زبان کا کلچر، جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے، یہ دونوں خود مترجم کی شخصیت کو توڑ دیتی ہے۔ ''(۴)

ڈاکٹر قمر رئیس کا کہنا ہے کہ

”ترجمہ کے بغیر آج کوئی زبان جدید اور ترقی پذیر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی اور ترجمہ ایک ایسا فن ہے جس پر قدرت حاصل کرنے کےلیے شوق و صلاحیت ہی نہیں مشق و مزاولت اور اصولی واقفیت بھی درکار ہے۔ اصطلاح سازی کے اصول اور طریقے، ترجمہ کے مختلف نظریے، ترجمہ میں زبان و اسلوب کے مسائل ، ترجمہ کی اقسام، ان تمام پہلوؤں سے واقفیت ضروری ہے۔“ (۵)

پروفیسر مسکین علی حجازی لکھتے ہیں کہ:

> ”علمی وادبی اور فنی مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا خاصا دشوار کا م ہے۔ یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو متعلقہ علم، صنف ادب یا فن کا ماہر ہونے کے علاوہ دونوں زبانوں پر مکمل طور پر قادر ہو۔ “(٦)

مرزا حامد بیگ تحریر کرتے ہیں کہ

> ”کسی تحریر ، تصنیف یا تالیف کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ترجمہ ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کسی متن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے اس کی تعبیر کرتا ہے۔ یعنی ترجمے کا عمل ایک علمی یا ادبی پیکر دوسرے پیکر میں ڈھالنے کا عمل ہے۔ “(۷)

ترجمہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(۱) ابلاغ (۲) ترسیل

ابلاغ سے مرادہے کہ اصل متن کا مفہوم اور مرکزی خیال مکمل وضاحت کے ساتھ مترجم کے ذہن میں اُتر جائے ۔ یہ ترجمے کا پہلا مرحلہ ہے۔اس کا دوسرا مرحلہ ترسیل ہے جس میں مترجم متن کے اصل مفہوم کو مکمل طور پر سمجھ کر اسے ترجمہ کی زبان کے ذریعے قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ترسیل کا عمل مجرد سے غیر مجرد کی طرف ہوتا ہے۔اس لیے ترسیل کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ مترجم نے مصنف کے خیالات کو کس حد تک سمجھا اور دوسری زبان میں قارئین کے سامنے پیش کیا۔ عموماً قارئین کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ اصل تحریر میں کیا لکھا ہے۔ وہ ترجمے ہی کو اصل تحریر کے نعم البدل کے طور پر پڑھتے ہیں۔

ترجمے کی روایت بہت پرانی ہے۔ اس کی ابتدا یونان سے ہوئی جو مشرق و مغرب کا سنگم کہا جاسکتا ہے۔ یونان نے تراجم کے ذریعے مشرق اور مغرب کے درمیان پل کا کام کیا۔ ہومر کی”ایلیڈ “ اور”اوڈیسی “ طویل رزمیوں کا جب انگریزی زبان میں ترجمہ کیا گیا تو اہل یورپ پہلی بار یونانی افکار و نظریات سے روشناس ہوئے اور ان تراجم نے یورپی ڈراموں اور داستانوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔اُردو ادب میں ترجمہ کی روایت کا مطالعہ کیا جائےتو پتہ چلتا ہے کہ اس کے ابتدائی عہد میں بہت بڑی تعداد میں فارسی، عربی اور سنسکرت سے اردو نثر میں ترجمے کیے گئے۔ عمومی طور پر ملاوجہی نے جو فتاحی نیشا پوری کی فارسی تصنیف”دستور عشاق “کا اردو میں”سب رس “ کے نام سے ترجمہ کیا۔ اسے پہلا ترجمہ قرار دیا جاتا ہے۔ابتداء میں جتنے بھی تراجم ہوئے وہ انفرادی کوششوں کا نتیجہ تھے۔ فورٹ ولیم کالج پہلا ادارہ تھا جس نے منظم

اور باقاعدہ طریقے پر عربی، فارسی اور سنسکرت سے اردو میں ترجمے کیے۔ فورٹ ولیم کالج میں جن ادیبوں نے اُردو ترجمے کیے ان کے نام ہیں عبداللہ مسکین، کاظم علی جوان، بہادر علی حسینی، مظہر علی خاں دل، شیر علی افسوس، حیدر بخش حیدری، خلیل علی خاں اشک، حمید الدین بہاری، کندن لال، باسط خان، میرابوالقاسم، طوطا رام، محمد بخش، میر جعفر، مولوی عنایت اللہ نہال چند، غلام اکبر، حاجی مرزا مغل، غلام شاہ، بھیک محمد شاہ، محمد عمر، شاکر علی وغیرہ۔

فورٹ ولیم کالج کے بعد اردو ترجمے کی تاریخ میں دوسرا اہم ادارہ دلی کا تھا۔ اس کالج کے تراجم فورٹ ولیم کالج کے تراجم سے بالکل مختلف تھے۔ فورٹ ولیم کے تراجم انگریزوں کو اردو پڑھانے کےلیے تھے جبکہ دلی کالج میں ہندوستانیوں کو مغربی تعلیم دینے کےلیے بڑے پیمانے پر ترجمے کیےگئے۔ اس لحاظ سے دہلی کالج کو فورٹ ولیم کالج پر فوقیت حاصل ہے۔ پورے ملک میں دہلی کالج وہ واحد کالج تھا جہاں ہیئت، ریاضی، فلاسفی اور تاریخ جیسے مغربی علوم کی تعلیم اردو کے ذریعے دی جاتی تھی مگر پریشانی یہ تھی کہ اردو کے ذریعے مغربی تعلیم کو حاصل کرنے والوں کےلیے اردو نصابی کتابیں نہ ےتھیں۔اس سلسلے میں دہلی ورنیکلرٹرانسلیشن سوسائٹی وجود میں آئی۔ اس سوسائٹی کا مقصد یہ تھا کہ ترجموں یا جذبہ موضوعات پر کتابوں کی تالیف کے ذریعے ہندوستانی زبانوں میں نصاب کی کتابیں فراہم کی جائیں۔اردو کے نثری متراجم کے سلسلے میں انجمن ترقی اردو کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ۱۹۰۳ء میں مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے شعبے کے طور پر انجمن ترقی اردو وجود میں آئی۔ اس کا م مقصد اردو زبان اور ادب کی ترقی اور فروغ تھا۔ یورپین زبانوں، عربی، فارسی اور سنسکرت سے خاصی تعداد میں ادبیات عالیہ کا ترجمہ کیا گیا۔حیدر آباد دکن میں نظام حیدرآباد نے ۱۴اگست ۱۹۱۶ء کو شعبہ تالیف و ترجمہ کے نام سے دارالترجمہ قائم کیا۔ ہندوستان کے مختلف حصوں سے ترجمے کےلیے ماہرین کو دعوت دی گئی۔ اس ادارے نے مختلف درجوں کے نصاب کےلیے لگ بھگ ساڑھے چار سو کتابیں تیار کیں۔اردو میں ترجمہ نگاری میں سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی، غازی پور، انجمن پنجاب لاہور، دارالمصنفین اعظم گڑھ، اور علی گڑھ وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں۔ویسے تو ترجمہ نگاری کی بہت سی اقسام ہیں جنہیں ترجمہ نگار اپنی ضرورت اور نظریے کے تحت اختیار کرتا ہے لیکن ان میں دو اقسام سب سے اہم ہیں۔آزاد اردو ترجمہ اوربامحاورہ اردو ترجمہ

آزار ترجمہ میں مترجم اصل متن کے نچوڑ یا مفہوم کو اپنی زبان میں منتقل کرتا ہےمگر اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ نفس مضمون باقی رہے اور اس کی روح مجروح نہ ہو بعض ناقدین کے نزدیک مترجم آزاد ترجمے میں اصل تصنیف کے تخلیقی اور جمالیاتی عناصر پر زیادہ زور دیتا ہے اور مفہوم کی ادائیگی کےلیے اپنی لفظیات پر بھروسا کرتا ہے۔اس سے تحریر دوسری زبان کے پڑھنے والوں کےلیے رواں دواں اور دلچسپ رہتی ہے لیکن اس کا نقصان یہ ہے کہ وہ زبان جس میں ترجمہ کیس جارہا ہو لفظیات اور اسالیب کے حوالے سے وسعت پذیری سے محروم رہتی ہے۔ بسا اوقات اس معاملے میں ترجمہ اصل مفہوم سے بھی دور ہوجاتا ہے۔ ترجمہ کی قسم کو ماخوذ بھی کہا جاسکتا ہے جس میں مترجم اپنی طرف سے حذف و اضافہ بھی کر سکتا ہے۔

سہیل احمد فاروقی اپنے مضمون"اردو میں آزاد ترجمے کی روایت " میں لکھتے ہیں کہ:

" آزاد ترجمہ قدرتی زبان کے ساتھ پروازتخیل، موزونی طبع کا تقاضا کرتا ہے آزاد ترجمے کی گنجائش زیادہ تر تخلیقی ادب

کے تراجم میں ہوئی اور خصوصاً شاعری میں چار لفظی سے زیادہ
ادبی ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ "(۸)

آزاد ترجمہ کی ایک مثال یہ ہے کہ اکبرالہ آبادی نے ایک نظم How the Water comes down at Ludore کا ترجمہ کیا:

How it comes sparkling

And there it lies darkling

Here smoking and frothing

Its tumult and wrathing

ترجمہ دیکھیے

اچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا

یہ نیتا ہوا اور تنتا ہوا ٹپکتا ہوا اور چھنتا ہوا

روانی میں اک شور کرتا ہوا رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا

پہاڑوں کے روزن زمین کے مسام یہ ہے کر رہا ہر طرف اپنا کام

یہاں مترجم نے ایک قدرتی مظہر کی کشش اور اس کے جوش کو اجاگر کرنے پر پوری توجہ صرف کی ہے۔ انگریزی کی لائنوں کی بڑی شکل کم و بیش یہ ہوتی کہ کہیں یہ جگمگا ہوا آتا ہے تو کیسی تاریکی میں پڑا رہتا ہے کہیں اس کی ہلچل اور غضب ناکی دھواں اور جھاگ اڑاتی ہے لیکن یہ تاثر مفقود ہے۔(۹)

سرور جہاں آبادی نے ٹینی سن کی نظم The Death of the old year کا ترجمہ کیا:

Full knee deep lies the winter snow

And the Winter winds are wearily sighing

Toll ye the church bell sad and slow

And tread softly and speak low

For the old year lies a-dying

Old year you must not die;

زمین پر برف رستاں ہے تابہ زانوآہ

لب ستم پہ ہیں نالہ ہائے دل جو آہ

تمام سال گزشتہ ہوا دریغ دریغ

(رفیق سے ہو اک جذا دریغ دریغ)

جہاں سے آہ مرے باوکا گزرنہ اٹھیں

سزائے ہستی فانی سے کوچ کہ نہ اٹھیں(۱۰)

آزاد ترجمہ کی سب سے پہلی مثال تو ہمیں ملاوجہی کی''سب رس '' سے ملتی ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں کہ:

''سب رس ایک ایسی تصنیف ہے جو ایک ادیب نے ادبی اسلوب میں ادبی دلچسپی کے قلمبند کی۔ اس کے مصنف (بلکہ زیادہ بہتر تو مترجم) ملاوجہی میں یہ محمد یحییٰ امین فتاحی نیشاپوری کے فارسی منظوم قصہ''حس و دل '' کا آزاد نثری ترجمہ ہے۔ جس کو نصیرانہ میں ہاشمی کے بقول''ملاوجہی '' نے غالباً حضرت وجہی الدین گجراتی متوفی ۹۹۸ھ کی تالیف سے ترجمہ کیا ہے۔ ''(۱۱)

اس کے علاوہ فورٹ ولیم کالج کے تحت کروائے گئے تراجم بھی کچھ تو پابند تھے کچھ آزاد تراجم ۔ بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو آزاد تراجم کو اُردو ادب میں ناپسند ہی کیا گیا اور اس سلسلے کی تمام کاوشوں کو سراہا نہیں گیا بلکہ ان پر اعتراضات کیے گئے۔

ترجمہ نگاری کی اس قسم پر اعتراض کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں کہ:

''.................. ہمیں Transcreationاور''آزاد ترجمہ '' جیسی اصطلاحات پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں یہ سب اصطلاحیں یا تو خراب تراجموں کا پردہ ہیں یا پھر اسے تراجم کی حمایت کرتی ہیں جو اصل سے بہتر ہونے کی کوشش کرتے ہیں یا اس کی توہین کرتے ہیں۔ کوئی بھی ترجمہ اصل کے حسن و خوبی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ''(۱۲)

آزاد تراجم کا قاری ترجمہ نگاری کے فن سے خاص شدبد نہ ہونے کے سبب بھی اس کو خوش ہوکر پڑھ لیتا ہے۔ اس کے تجسس کو اسی ترجمہ سے ہی تسکین پہنچ جاتی ہے اور وہ اس فن کی خوبی و خامی پر غور کرنے کی زحمت ہی نہیں کرتا۔

اگر لفظی ترجمے کی بات کی جائے تو اس کا مطلب ہے کسی بھی متن کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کر دیا جائے۔ اس طریقہ کےلیے اہمیت اصل تصنیف کی ہوتی ہے لیکن اس کے متعلق عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ اس میں تخلیقی صلاحیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ مذہبی، فنی یا سائنسی کتابوں کے تراجم کے حوالے سے یہ طریقہ زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اس میں ایک لفظ کے متبادل ایک لفظ دیاجاتا ہے۔ لیکن اس زبان کے نحوی ڈھانچے پر جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے اثر پڑتا ہےاس لیے کہ ہر زبان کا اپنا الگ نحوی ڈھانچہ ہوتا ہے۔ اگر مترجم لفظ بہ لفظ ترجمہ کرتا ہے تو وہ Source Languages کے نحوی ڈھانچے کا اتباع کرتا ہے جس کی وجہ سے ٹارگٹ Language کا نحوی ڈھانچہ متاثر ہوتا ہےلفظی ترجمے میں ایک قباحت یہ ہوتی ہے کہ تحریر میں بے کیفی اور بے رنگی پیدا ہوجاتی ہے جو فارسی کی عدم دلچسپی کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے لفظی ترجمے کو مکھی پر مکھی مارنے کے مترادف اور غیر تخلیقی عمل سمجھا جاتا ہے۔ لفظی ترجمے میں ایک اور مشکل ثقافتی سطح کی ہے کیونکہ اصل متن کی زیادہ اپنا اسلوب اور اپنا تہذیبی رنگ رکھتی ہے جو دوسری زبان کے لوگوں کےلیے اجنبی ہوتا ہے۔

احمد محفوظ اپنے مضمون''لفظی ترجمے کے مسائل ''میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"ہم لفظی ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ کو من و عن نقل کر لیتے ہیں لیکن اگر ترجمہ کسی ایسی زبان میں ہورہا ہو جو بالکل مختلف تہذیبوں کی نمائندہ ہوتو ترجمہ، بالخصوس لفظی ترجمہ کرتے ہوئے ایسے ایسے لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں کہ خدا کی پناہ اور اگر ان میں شاعری کا لفظی ترجمہ کیا جارہا ہوتو پھر اللہ ہی مالک ہے۔ "(۱۳)

لفظی ترجمے کی ذیل میں اعجاز احمد کی وہ کتاب قابل ذکر ہے جس میں انہوں نے غالب کی منتخب غزلوں کا انگریزی میں خود لفظی ترجمہ کیا۔ لفظی ترجمے کی جو مشکلات ہیں وہ اس کتاب میں بھی نظر آتی ہیں جس کا اعتراف خود اعجاز احمد نے کیا ہے بہرحال یہ ایسا کام ہے جسے ادبی دنیا میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

وہ فراق اور وہ وصال کہاں

وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

Where are (no more) those meetings, those separations!

No more those days and nights, months and years!

فرصت کاروبار شوق کے

ذوق نظارہ جمال کہاں

Who has the Leisure to indulge in matters of love!

No more is the delight of beholding the beautiful things!

تھی وہ اک شخص کے تصور سے

اب وہ رعنائی خیال کہاں

It was from the imagination vision of someone!

No more is the youth grace of thought now!

مذہبی لفظی تراجم پر بات کی جائے تو اردو میں قرآن شریف کا پہلا ترجمہ مولانا رفیع الدین نے کیا یہ ترجمہ لفظی تھا یعنی قرآن شریف کے ہر لفظ کا اس طرح ترجمہ کیا گیا کہ اردو فقروں کی ساخت بالکل بدل گئی۔ اس ترجمے میں سلاست اور روانی نہ ہونے کی وجہ سے اصل مفہوم سمجھنا مشکل تھا۔ رفیع الدین نے یہ ترجمہ۱۷۷۶ء میں کیا تھا۔ تقریباً نو سال بعد ۱۷۹۵ء میں شاہ رفیع الدین کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر نے بھی قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ پہلے ترجمے کے مقابلے میں زیادہ سلیس شگفتہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا تھا۔

مجموعی طور پر بات کی جائے تو لفظی ترجمے کو ترجیح دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے مصنف کے اسلوب کے نزدیک تر آنے کا زیادہ امکان ہے۔ اس کو اور بھی درست ہونا چاہیے اور کوئی نقل چاہیے تصویر یا نظم کی ہواس کی محبت سے جانچنا زیادہ موزوں ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے تصنیف کے اثر کو دوبارہ پیدا کرنے کی کوشش میں بہت زیادہ لفظی ہوا۔ ترجمہ ایک غلطی ہے اس

کے تاثرات دوسری زبان میں منتقل کرنے کےلیے مصنف کے جملوں کی ساخت کو بدلنا ضروری ہوسکتا ہے۔

ڈاکٹر ای۔وی۔ایو Odyssey کے اپنے ترجمہ کا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں:

> ”دوسرےتمام بڑے ادیبوں کی طرح ہومر کی تصانیف میں بھی مواد اور اسلوب ایک دوسرے میں جذب ہوگئے ہیں اور اگر ہم ہومر کی تصانیف کوبجنسہ منتقل کریں تو معنی اور اسلوب دونوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔“ (۱۵)

لفظی ترجمہ ادب میں کارآمد ثابت نہیں ہوتا۔ ادبی تحریر کا لفظی ترجمہ کرنے سے تحریر کی۔ ادبی شان زائل ہوجاتی ہے۔ یہ مذہبی سائنسی تحریروں کےلیے مفید ہوتا ہے۔

جہاں تک آزاد ترجمہ کی بات ہے یہ ترجمہ صرف مرکزی خیال اور مفہوم کو منتقل کرتا ہے۔ آزاد ترجمہ نگار متن کے الفاظ کے پیچ و خم میں الجھے بغیر صرف مفہوم کو اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں بیان کردیتا ہے۔ لیکن اس میں بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مصنف کے انداز و اسلوب کو کسی حد تک برقرار رکھا جائے اور اس کے احساس وجذبات کی کماحقہ ترجمانی کی جائے۔

ترجمہ کی ایک مختصر مگر جامع تعریف پیش کی جاتی ہے جس سے اس کے تمام محاسن و مصائب، اس کی حسن و خوبی اور اس کی دشواریاں سب کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

بقول شخصے:

Translation is like a girl. When she is loyal, she is not beautiful. When she is beautiful, she is not loyal.

اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ ترجمہ یا متن کے مطابق ہوگا یا مقامی محاورے کے۔ اگر متن کے مطابق ہوگا تو مقامی محاورے پر سمجھوتا کرنا ہوگا۔ اگر اسے مقامی محاورے کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے گی تو متن سے دوری کے قوی امکان ہیں۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ نگاری باقاعدہ ایک فن کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ کسی طرح بھی تخلیقی عمل سے کم نہیں ہے۔ جتنی محنت ایک مصنف کو اپنی تخلیق کےلیے کرنا پڑتی ہے اتنی ہی محنت ایک مترجم کو کرنا پڑتی ہے۔ تاکہ وہ ایک عمدہ اور بہترین ترجمہ کرسکے اور اپنی زبان میں دوسری زبان کی تخلیق کو منتقل کر سکے۔

حوالہ جات

۱۔ سرہندی، وارث(۲۰۰۳ء)”علمی اردو لغت(جامع) “، لاہور، علمی کتب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار ،ص:۴۴۳

۲۔ نیر مولوی نور الحسن، (۲۰۰۳ء)”نوراللغات(اول) “ اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ص:۱۰۳۳

۳۔ بحوالہ، تخلیق مکرر(۲۰۰۱ء) سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، لاہور گورنمنٹ کالج، ص:۱

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر(۲۰۰۳ء)''ارسطو سے ایلیٹ تک ''اسلام آباد نیشنل بک فاؤنڈیشن، ص:۱۳

۵۔ قمر رئیس، ڈاکٹر(۲۰۱۴ء)''ترجمہ نگاری کا فن اور روایت '' کراچی، سٹی بک پوائینٹ، نوید سکوئیر اردو بازار،ص۱۸

٦۔ مسکین علی حجازی،ڈاکٹر(۲۰۰۷ء)''صحافتی زبان '' لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص:۴۳

۷۔ حامد بیگ ،مرزا(۲۰۱۳ء)''اردو ترجمہ کی روایت ''ناشر اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز،ص:۴۰

۸۔ نجیب جنگ،(سرپرست)، مشاورتی کمیٹی (۲۰۱۲ء) ترجمے کے فنی و عملی مباحث ، نئی دہلی، جامعیہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر،ص۱۷۸

9۔ ایضاً ص:۱۸۰،۱۷۹

۱۰۔ ایضاً ص:۱۸۱،۱۸۰

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر(۲۰۰۵ء)''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ آغاز سے ۲۰۰۰ء تک ''، دہلی، کاک و آفسیٹ پرنٹرز، ص:۱۷۸

۱۲۔ محمد صفدر رشید،(۲۰۱۵ء)(مرتب)''فن ترجمہ نگاری ''، اسلام آباد،پورب اکادمی،ص:۳۸

۱۳۔ نجیب جنگ،''ترجمے کے فنی و علمی مباحث ''، ص:۱۹۴،۱۹۳

۱۴۔ ایضاً ص:۱۹۵،۱۹۴

۱۵۔ قمر رئیس،ڈاکٹر''ترجمے کا فن اور روایت ''، ص:۲۱٦